## باسمہٖ سبحانہٗ وتعالی

# مسئلہ کا ایک حل

## بزرگان دین اور اولیاء کرام کی مولانا سعد صاحب سے گذارش

اس بحث کو چھوڑ یئے کہ آنجناب کو کلی طور پر امارت کا استحقاق ہے یا نہیں اور اس کے جو شرائط ہیں وہ آپ کے اندر پائے جاتے ہیں یا نہیں، اصل شوریٰ ہے یا امیر......ونحو ذلک۔ان ساری بحثوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آنجناب ہی امیر ہیں اور امیر واجب الاطاعت ہوتا ہے اور وہی اصل بھی ہوتا ہے ان سب باتوں کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی اس وقت جو انتشار و اختلاف کی فضا بنی ہوئی ہے جس کی وجہ سے مرکز کی مرکزیت بھی خطرہ میں ہے، شرعی نقطہ نظر سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں بھی کیا آنجناب کا اپنی امارت وسیادت پر اصرار کرنا اور اس منصب پر ڈٹے اور جمے ہی رہنا فرائض وواجبات میں سے ہے؟ کہ اگر اس سے تخلف کرلیں تو عنداللہ آپ گناہ گار ہوں گے؟ اور کیا شوریٰ کو تسلیم کر لینا اور اس کی ماتحتی قبول کر لینا آپ کے لئے حرام اور ناجائز ہے کہ اس کی وجہ سے آپ ناجائز اور حرام کے مرتکب سمجھے جائیں؟ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے خیال کے مطابق آپ کے امیر رہنے اور اس منصب پر ڈٹے رہنے ہی میں مصلحت ہے اور یہ امارت آپ کی نگاہ میں آپ کے لیے نہایت مستحسن اور مرغوب ہے لیکن اس کی وجہ سے جو مفاسد اور شدید اختلاف وافتراق کے حالات اب تک سامنے آچکے ہیں وہ سب پر عیاں ہیں اور آئندہ بھی شدید خطرات ہیں ایسے حالات میں احادیث مبارکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے ہم کو کیا سبق ملتا ہے، یہ قابل غور بات ہے۔

احادیث مبارکہ اور سیرت طیبہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب کوئی ایسا عمل آیا جس کے کرنے میں یقینی مصلحت تھی، شرعاً وہ کام پسندیدہ اور مستحسن وافضل بھی تھا لیکن اس کے کرلینے کے بعد کسی درجہ میں مفسدہ اور انتشار کا اندیشہ تھا تو محض اس مفسد اور انتشار سے بچنے اور امت کو بچانے کے لیے آپ نے اس مستحسن اور افضل عمل کو جو کہ آپ کو نہایت مرغوب بھی تھا ترک فرما دیا اور اخیر عمر تک اس کام کو نہیں کیا البتہ اس کے مستحسن اور افضل ہونے کا اظہار فرما دیا۔

خانہ کعبہ کو منہدم کر کے بنائے ابراہیمی کے مطابق از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ اس کی واضح مثال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے افضل اور مستحسن ہونے کے باوجود محض خلفشار کی وجہ سے اس کو ترک فرمایا تھا۔

حضرت امام بخاریؒ نے تو اسی غرض سے ایک باب ہی منعقد کیا ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ انتشار واختلاف اور مفسدہ کی وجہ سے پسندیدہ کام کو ترک کردیا جائے ”باب من ترك بعض الاختيار مخافة ان يقصر فهم بعض الناس

عـنـه فيقعوا فى أشد منه ''اوراس کے تحت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا ذکر کیا ہے کہ ''اے عائشہؓ ! اگر تمہاری قوم کے لوگ نئے نئے اسلام میں داخل نہ ہوتے تو میں کعبہ کو منہدم کر کے اس کی از سر نو تعمیر کر کے اس کو بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دیتا کہ اس کے دو دروازے ہوتے ایک داخل ہونے کا، ایک نکلنے کا۔'' يـا عـائشة لـولا قـومك حـديـث عـهـدهم بكفر لنقضت الكعبة فجعلت لها بابين، باب يدخل الناس وباب يخرجون۔

(بخاری شریف، کتاب العلم جلد نمبر ۱، ص ۲۴، حدیث نمبر ۱۲۶)

اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجرؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسدہ کے خطرہ کے وقت مصلحت والے کام کو بھی ترک کر دیا جائے گا۔ ويستفاد منه ترك المصلحة لأمن الوقوع فى المفسدة۔

(فتح الباری، جلد ۱، ص ۲۹۹)

حضرت امام نوویؒ، علامہ عینیؒ نے اس کی مزید وضاحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس واقعہ سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کسی موقع پر جب مصلحت و مفسدہ دونوں جمع ہو جائیں اور دونوں میں جمع دشوار ہو ایسی صورت میں مفسدہ سے حفاظت کے لیے مصلحت کو بھی ترک کر دیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر خانہ کعبہ کو بناء ابراہیمی کے مطابق بنانا بہت بڑی مصلحت تھی لیکن ایسا کرنے سے بڑے مفسدہ کا خطرہ تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو ترک فرما دیا۔ قـال الـنـووى فيـه اذا تعارضت مصلحة و مفسـدة وتعذرا لجمع بين فعل المصلحة و ترك المفسدة بدأ بالاهم لأن النبى ﷺ اخبـر انّ ردّ الكعبة الى قواعد ابراهيم عليه السلام مصلحة ولكن يعارضه مفسدةٌ اعظم منه وهى خوف فتنة بعض من أسلم قريباً لما كانوا يرون تغييرها عظيماً فتركها النبى ﷺ۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری جلد نمبر ۱، ص ۲۰۴)

الغرض رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ سے یہی سبق ملتا ہے کہ ایک مستحسن اور پسندیدہ عمل کو مفسدہ اور خلفشار سے بچنے کے لیے ترک کر دیا جائے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر صرف مفسدہ اور خلفشار کا احتمال تھا کہ نئے نئے لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے ہیں وہ کعبہ کے منہدم ہونے کو بہت بڑی بات سمجھیں گے، پھر اس کے چرچے اور پروپیگنڈہ ہوگا۔

ہمارے سامنے جو مسئلہ ہے یعنی امارت، یہ تو یقینی بات ہے کہ اس پر اصرار اور ڈٹے جمے رہنا فرض اور واجب تو ہے نہیں، زائد سے زائد اپنے لیے اس کو افضل مبنی بر مصلحت کہا جا سکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے جو مفاسد اور انتشار و اختلافات احتمال کے درجے میں نہیں واقعۃً رونما ہو چکے ہیں ایسی صورت میں تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے امر پر اصرار نہ کیا جائے جو موجب اختلاف و افتراق ہو رہا ہو۔

خلاصہ یہ کہ امارت پر اصرار واجب اور فرض نہیں اور شوریٰ کے تابع ہو کر چلنا ناجائز اور حرام نہیں، تو پھر اس کو قبول کرنے میں کیا مانع ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل سے اس کا مطلوب ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو شخص اپنے گمان کے مطابق حق پر ہو لیکن محض جھگڑے اور خلفشار کی وجہ سے پیچھے ہٹ جائے جھگڑے کو چھوڑ دے اللہ تعالیٰ وسط جنت میں اس کو محل دیں گے۔ من ترك المراء وهو محق بنى له في وسط الجنة ۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللسان، مرقاۃ جلد ۱۱، ص ۶۸)

اور شریعت کا یہ ضابطہ بھی مسلمات میں سے ہے (جس کو ہمارے فقہاء و مفسرین نے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے اور احکام میں ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا ہے) من ابتلى ببليتين فليختر اهونهما۔ (الاشباہ والنظائر) کہ جب دو قسم کی مصیبتوں اور مفسدوں میں ابتلاء ہو جائے یا دو قسم کے خطرات سامنے ہوں تو عقل و شریعت کا فیصلہ یہی ہے کہ اہون البلیتین اور اخف الضررین یعنی بڑے مفسدے اور بڑے ضرر سے حفاظت کی خاطر چھوٹے ضرر کو گوارا کر لیا جائے۔

موجودہ حالات میں احقر کی ناقص رائے کے مطابق جس بات پر آپ مصر ہیں اس کے نتیجہ میں امت کو جو ضرر لاحق ہو رہا ہے اور آئندہ بھی سخت خطرات ہیں وہ ضرر زیادہ سنگین ہے، شدید بھی ہے، مدید بھی ہے، اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ امت کو بڑے ضرر سے بچانے کے لیے چھوٹے ضرر کو گوارا کر لیا جائے اور اسی پر قناعت کر لی جائے۔

ان سب کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ایک ملفوظ اور مکتوب خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ ملفوظ تو یہ ہے فرمایا: ''میرے اس کام میں اخلاص اور صدق دلی کے ساتھ اجتماعیت اور شوریٰ بینہم کی بڑی ضرورت ہے، بغیر اس کے بڑا خطرہ ہے۔'' (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص ۱۴۴، ملفوظ نمبر ۱۶۵)

مکتوب یہ ہے: ''میرے نزدیک جو کام چلنے کے لیے اس وقت ضرورت ہے وہ مشائخ طریقت، علماء شریعت، ماہرین سیاست کے چند ایسے حضرات کی جماعت کے مشاورت کے ماتحت ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک نظم کے ساتھ حسب ضرورت مشاورت کا انعقاد خاطر خواہ مدام رہے، اور عملی چیز سب اس کے ماتحت ہو، سو ایک تو اول ایسی مجلس کے منعقد ہو جانے کی ضرورت ہے۔ (مکاتیب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص ۱۴۴، جمع کردہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے اس ملفوظ و مکتوب سے دو باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اجتماعیت اور شورائی نظام کا ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر بڑا خطرہ ہے، دوسرے یہ کہ یہ دعوت و تبلیغ کا کام جس کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ لے کر چل رہے تھے یہ پورا کام مجلس مشاورت کی ماتحتی میں ہونا چاہئے اور اس مجلس مشاورت میں ماہر علماء، اور مشائخ طریقت، اور تجربہ کار ماہرین سیاست بھی شامل ہونے چاہئیں۔

اس لیے ہر پہلو سے مناسب بلکہ ضروری یہی معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا اپنی رضا ورغبت سے (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق) شورائی نظام کی ماتحتی قبول فرمالیں۔اسی میں عافیت وسلامتی اور عزت ہے۔من تواضع لله رفعه الله ،الحمدللہ ابھی ایسے پرانے صاحب بصیرت،کریم النفس،شریف الطبع حضرات موجود ہیں جو اکابر کے تربیت یافتہ ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ جناب والا کی نسبت اور حرمت وعظمت کا لحاظ نہ رکھیں،سب آپ کے قدرداں ہیں اور ان شاءاللہ ہمیشہ رہیں گے۔

اورحضور والا یہ بھی تو سوچئے اور خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ اکابر علماء محققین کی تحقیق وتصریح کے مطابق جب آپ کی زبان مبارک سے بہت سے ایسے مضامین بیان ہوتے رہتے ہیں جو جمہور کے مسلک کے خلاف ہیں،آیات کی تفسیر،احادیث کی تشریح، مسائل کی توضیح میں آپ سے بہت سی ایسی غلطیاں ہوئی ہیں جن سے علماء دیوبند،علماء سہارنپور،علماء ندوة بیزار ہیں اوراس کی اصلاح اوراس سے اعلان رجوع کو ضروری سمجھتے ہیں،آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ ان حالات میں آپ کے لیے ایسی جماعت اور شوریٰ کی ماتحتی وپابندی لازم ہے یا نہیں جس کی ہدایت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فرمائی ہے۔

والسلام

محمد زید مظاہری ندوی
استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃالعلماء لکھنؤ
۲۱ ستمبر ۲۰۱۶